تقریر

تقریر بابت اسلام
وقت 5-7 منٹ

اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا حسین امتزاج

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے یہی ہیں جو اہلِ جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(درثمین)

معزز سامعین! آج مجھے اِس محفل میں قرآنِ کریم کی آیات میں **اٰمَنُوْا** کے ساتھ **عَمِلُوْا الصَّالِحَات** کے الفاظ کے عمیق تعلق کو بیان کرنا ہے۔ جو 50 کے آیات میں بیان ہوا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے یؤمنون کے درج ذیل تین معانی فرمائے ہیں۔ اوّل تصدیق کرتے ہیں۔ دوم اعتراف کرتے ہیں اور سوم پختہ یقین اور اعتماد رکھتے ہیں۔

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 97 زیر لفظ یؤمنون)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بارہالفظِ اٰمَنُوْا کو عَمِلُوْا الصَّالِحَات کے ساتھ باندھ کر گویا ایمان کے اعمالِ صالحہ کے ساتھ گہرے تعلق کو بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اوپر آیت میں بیان ہوا ہے جس کی مَیں نے تقریر کے آغاز میں تلاوت کی ہے۔ اِس مضمون کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جہاں مومنوں اور اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو انعامات، افضال، مغفرت، بخشش، اجر اور جنت کی بشارت دی وہاں جہنم سے دوری اور آگ سے نجات کی خوشخبری بھی سنائی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے عمل اور ایمان کے رشتے کو بہت اچھوتے اور اچھے انداز میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے جیسے ایمان، اعمالِ صالحہ کے بغیر ادھورا ہے۔ بغیر ایمان کے عمل مِثل مُردہ کے ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں۔

”ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے ورنہ ایمان بدُوں عمل مُردہ ہے اور جب تک عمل نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مگر اعمال کی قوت اور توفیق معرفت اور یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر یہ قوت بڑھتی ہے اُسی قدر اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے اور وہ برکات حاصل ہوتی ہیں جن سے انسان آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔“

(الحکم 10 اگست 1903ء صفحہ 20)

ایمان اور عمل کے درمیان رشتے کو آپؑ نے ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

”ایمان اور اعمال کی مثال قرآن شریف میں درختوں سے دی گئی ہے۔ ایمان کو درخت بتایا ہے اور اعمال اس کی آبپاشی کے لئے بطور نہروں کے ہیں۔ جب تک اعمال سے ایمان کے پودہ کی آبپاشی نہ ہو اس وقت تک وہ شیریں پھل حاصل نہیں ہوتے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 225۔226 ایڈیشن 2016ء)

آپؑ ایک اَور موقع پر جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”دیکھو! جب مالی بوٹا لگاتا ہے پھر اس کو پانی دیتا ہے اور اس سے اس کی تکمیل کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان ایک بوٹا ہے اور اس کی آبپاشی عمل سے ہوتی ہے اس لیے ایمان کی تکمیل کے لیے عمل کی از حد ضرورت ہے۔ اگر ایمان کے ساتھ عمل نہیں ہوں گے تو بوٹے خشک ہو جائیں گے اور وہ غائب و خاسر رہ جائیں گے۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 296۔ حاشیہ ایڈیشن 2022ء)

اوپر بیان فرمودہ ارشادات میں نمبر ایک آپؑ نے ایمان کو عمل کے بِنا ایک مُردار اور ایسا درخت قرار دیا ہے جس کو نیک اور صالح اعمال کا پانی سیراب نہ کر رہا ہو اور اُس کے سڑنے اور گلنے کے امکانات موجود ہوں۔ گویا اعمال ایسا پانی ہے جو ایمان کو ہرا بھرا رکھتا ہے۔ اِس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے سیراب کرتے رہیں۔ اللہ کی طرف جھکیں، نمازیں پڑھیں، تلاوتِ قرآن کیا کریں۔ اللہ کی مخلوق سے پیار اور محبت سے پیش آئیں۔ بالخصوص اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب سے شفقت اور محبت کا سلوک کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم آج کے دور میں غیروں کے نزدیک تو غیر مسلم ٹھہرے ہی ہیں اپنے غیر اسلامی اعمال ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے دربار میں بھی اسلام کو اپنی طرف منسوب نہ کر سکیں۔

سامعین! دوسرے نمبر پر حضورؑ نے ایمان کو بوٹا، پودا اور درخت سے تشبیہ دے کر اعمال کو نہر اور پانی قرار دیا ہے۔ جس طرح ایک پودا پھلنے، پھولنے اور پھل، پھول دینے کے لئے مادّی پانی کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح روحانی پودے ”ایمان“ کو روحانی پانی ”اعمال“ کی ضرورت ہوگی۔ کہتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اِن تشبیہات میں بیان مضمون کو لے کر آگے بڑھیں تو ایک بڑی ہی حسین اَور سبق آموز حقیقت سامنے آتی ہے۔ پودا، بیج سے شروع ہو کر بڑھتا ہے اور اتنا پھیل جاتا ہے کہ وہ جب پھل سے لدّ جاتا ہے تو اُس کی شاخیں جُھک جاتی ہیں، وہ خوبصورت اور بَھلا لگتا ہے۔ لوگ اُس کے لذیذ اور رس بھرے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بعض درختوں کے گھنے سایہ میں آرام کرتے اور سستاتے ہیں بعینیہ ایمان ایک بیج کی مانند کسی نیک اور سعادت مند کے دل و دماغ میں بویا جاتا ہے، جہاں وہ پرورش پاتا ہے اور ایمان کا حامل انسان جب مذہبی تعلیمات کے مطابق اعمال بجالاتا ہے تو اُس کا ایمان اُسی طرح دل پھاڑ کر باہر آتا ہے جیسے ایک پودا زمین پھاڑ کر باہر آتا اور بڑھنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ پھلوں اور پھولوں سے مزیّن ہونے لگتا ہے اِسی طرح ایمان جب اعمال سے مزیّن ہوتا جاتا ہے اور ایمان پھل دینے لگتا ہے۔ وہ مؤمن اپنے خالق کے قریب ہونے لگتا ہے۔ اُس کے رسول سے محبت بڑھنے لگتی ہے۔ قرآن سے عشق ہو جاتا ہے۔ اللہ کی مخلوق سے عزت و احترام کا سلوک کرنے لگتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء سے محبت اور اُن کے فرمودات کو حرزِ جان بنائے رکھنا بھی ایمان کے پھلوں میں شمار ہوتا ہے۔

ایمان کو ایک اَور مثال سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے ”چنگاری“۔ جس طرح ایک چنگاری ایک آگ کو بھڑکا سکتی جو بعض اَوقات بُجھنے کا نام نہیں لیتی اِسی طرح ایمان جب پیدا ہو جاتا ہے تو بڑھنے لگتا ہے۔

میرے بھائیو! الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایمان اور عمل اور قول و فعل میں مطابقت کو نہایت پیارے انداز میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے۔ جن میں سے چند ایک ارشادات کو مَیں نے اپنی تقریر کی زینت بنایا ہے۔ حضورؑ اِس اہم مضمون کو ایک اور مثال سے سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”قول اور عمل کی مثال دانہ کی ہے۔ اگر کسی کو ایک دانہ دیا جاوے اور وہ اسے لے جا کر رکھ چھوڑے اور استعمال نہ کرے تو آخر اُسے پڑے پڑے گُھن لگ جاوے گا۔ ایسے ہی اگر قول ہو اور اس پر عمل نہ ہو تو آہستہ آہستہ وہ قول بھی نہ رہے گا۔ اسی لیے اعمال کی طرف سبقت کرنی چاہیے۔“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 117 ایڈیشن 1984ء)

پھر قول اور فعل کی اہمیت کو مثالوں سے سمجھانے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فیصلہ کی جو آسان ترین راہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک قول ہوتا ہے اور ایک فعل۔ اگر قول میں اختلاف ہے تو اب فعل کی انتظار چاہیے۔ قول پر اگر فیصلہ کا مدار رکھا جاوے تو اس کی نظیر دوسری جگہ نکل آتی ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ تم کذّاب ہو۔ لیکن فعل کو کہاں چھپائیں گے۔ اس کی مثال تو ایک سُورج کی ہے جس کی رؤیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ قول سے مراد ہماری وحی الٰہی ہے اور فعل سے نصرت اور تائیدات الٰہیہ۔“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 303-304 ایڈیشن 1984ء)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اپنے ایمان کا وزن کرو۔ عمل ایمان کا زیور ہے۔ اگر عملی حالت درست نہیں ہے تو حقیقت میں ایمان بھی نہیں ہے۔ مؤمن حسین ہوتا ہے جیسے ایک خوبصورت کو معمولی اور ہلکا سا کپڑا بھی پہنا دیا جاوے تو وہ اُسے زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اِسی طرح پر ایماندار کو عمل اور بھی خوبصورت دکھاتا ہے اور اگر بد عمل ہے تو کچھ بھی نہیں“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 340 ایڈیشن 2016ء)

اب تک مَیں حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی زُبانی چھ مثالیں دے آیا ہوں اور پہلی تین مثالوں کی وضاحت اپنی زبان میں پیش بھی کی ہیں۔ اب جہاں تک دوسری تین مثالوں کا تعلق ہے وہ بھی آسان فہم ہیں لیکن آپ سامعین کے لئے تجربات سے وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے نمبر پر حضورؑ نے دانے یعنی اناج کی مثال دی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسان فصل کا دانہ بننے سے پہلے یا دانہ بنتے ہی بلکہ باغبان اپنے اپنے باغ میں لگے پودوں پر پھل لگنے سے پہلے اُس کے پھولوں پر کیڑے مار ادویات کا سپرے کروا دیتے ہیں تا اُن کی فصل اور پھل محفوظ رہے اور جب فصل کٹائی کے بعد گھروں میں یا اسٹورز میں رکھی جاتی ہے تو کیڑے مار ادویات گولیوں یا پوٹلیوں میں بند کر کے جگہ جگہ رکھی جاتی ہیں تا اُن ادویات کی بُو سے کیڑے فصل سے دور رہیں اور فصل کو گھن نہ لگے۔ جب مادّی فصل کی حفاظت کے لئے اتنی تگ ودَو کرنی پڑتی ہے تو روحانی فصل یعنی اعمال کو اعمالِ حسنہ میں تبدیل کرنے کے لئے کتنی محنت کی ضرورت ہو گی۔ اعمال کو گھن بھی مادّی فصل سے ذرا جلدی لگتا ہے جس کے لئے بد صحبت کی ایک دو مجلسیں ہی کافی ہوتی ہیں۔ ایک مؤمن اپنے قول یعنی ایمان کو اپنے اعمال سے ہی خوبصورت بنا سکتا ہے جسے حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے ایمان کا زیور قرار دیا ہے۔ زیور خوبصورتی کا باعث ہوتا ہے، حُسن میں اضافہ ہو جاتا ہے اِسی طرح عمل، ایمان کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ یہ زیور گولڈ کا بھی ہو سکتا ہے، سلور کا یا کانچ کا بھی ہو سکتا ہے۔ نماز ایک مؤمن کا زیور ہے لیکن اگر وہ مسجد میں جا کر باجماعت ادا کرنے کی بجائے گھر میں ادا کرے گا تو وہ زیور تو ہو سکتا ہے لیکن گولڈ کا نہیں ہو گا۔ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ اپنے ایمان کا وزن کرتے رہو یعنی اپنے جائزے لیتے رہو اور ترازو کے ایک پلڑے میں ایمان اور دوسرے پلڑے میں اپنے اعمال ڈال کر وزن کرتے رہو۔ اعمال کا پلڑا، ایمان کے پلڑے سے بھاری ہو یا کم از کم برابر ہو۔ پھر حضورؑ نے تیسری مثال میں قول کو وحی الٰہی اور اعمال کو سورج یعنی تائیداتِ الٰہی ونصرتِ الٰہی کہا ہے جو سورج کی طرح ہر ایک کو نظر آتی ہیں۔ یہی کیفیت ایمان اور عمل کی ہے۔ ایک مؤمن کے اعمال سورج کی طرح روشن اور چمکدار ہوں کہ دوسروں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیں اور وہ کہہ اُٹھے کہ یہ سچا، کامل مؤمن ہے۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام زُبان سے ایمان کے اظہار کو اپنے اعمال سے سجانے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”انسان سمجھتا ہے کہ نِرا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہے یا نِرا اَستغفراللہ کہہ دینا ہی کافی ہے مگر یاد رکھو! زبانی لاف وگزاف کافی نہیں۔ خواہ انسان زبان سے ہزار مرتبہ اَستغفراللہ کہے یا سو مرتبہ تسبیح پڑھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ خدا نے انسان کو انسان بنایا ہے، طوطا نہیں بنایا۔ یہ طوطا کا کام ہے کہ وہ زبان سے تکرار کرتا رہے اور سمجھے خاک بھی نہیں۔ انسان کا کام تو یہ ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اُس کو سوچ کر کہے اور پھر اُس کے موافق عمل درآمد بھی کرے۔ لیکن اگر طوطا کی طرح بولتا جاتا ہے تو یاد رکھو! نِری زبان سے کوئی برکت نہیں ہے۔ جب تک دل سے اُس کے ساتھ نہ ہو اور اُس کے موافق اعمال نہ ہوں۔ وہ نِری باتیں سمجھی جائیں گی جن میں کوئی خوبی اور برکت نہیں کیونکہ وہ نِرا قول ہے خواہ قرآن شریف اور استغفار ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔ خدا تعالیٰ اعمال چاہتا ہے اس لئے بار بار یہی حکم دیا کہ اعمال صالحہ کرو۔ جب تک یہ نہ ہو خدا کے نزدیک نہیں جا سکتے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ آج ہم نے دن بھر میں قرآن ختم کر لیا ہے۔ لیکن کوئی اُن سے پوچھے کہ اس سے کیا فائدہ ہوا؟ نِری زبان سے تم نے کام لیا مگر باقی اعضاء کو بالکل چھوڑ دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعضاء اس لئے بنائے ہیں کہ اُن سے کام لیا جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے کیونکہ اُن کی تلاوت نرا قول ہی قول ہوتا ہے اور اِس پر عمل نہیں ہوتا۔“

(ملفوظات، جلد 6 صفحہ 398-399 ایڈیشن 1984ء)

پھر آپ علیہ السلام ”جماعت کو عمل کی ضرورت ہے“ کے تحت فرماتے ہیں:

”یاد رکھو کہ ہماری جماعت اس بات کے لئے نہیں ہے جیسے عام دنیادار زندگی بسر کرتے ہیں۔ نرا زبان سے کہہ دیا کہ ہم اسلام میں داخل ہیں اور عمل کی ضرورت نہ سمجھی جیسے بدقسمتی سے مسلمانوں کا حال ہے کہ پوچھو! تم مسلمان ہو؟ تو کہتے ہیں شکر الحمدللہ۔ مگر نماز نہیں پڑھتے اور شعائر اللہ کی حرمت نہیں کرتے۔ پس مَیں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ صرف زبان سے ہی اقرار کرو اور عمل سے کچھ نہ دکھاؤ یہ نکمّی حالت ہے۔ خدا تعالیٰ اِس کو پسند نہیں کرتا...... پس اب اگر کوئی میرے ساتھ تعلق رکھ کر اپنی حالت کی اصلاح نہیں کرتا اور عملی قوتوں کو ترقی نہیں دیتا بلکہ زبانی اقرار ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ گویا اپنے عمل میں میری عدم ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پھر تم اگر اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میرا آنا بے سُود ہے تو پھر میرے ساتھ تعلق کرنے کے کیا معنے ہیں؟ میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہو تو میری اغراض اور مقاصد کو پورا کرو اور وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنا اخلاص اور وفاداری دکھاؤ اور قرآن شریف کی تعلیم پر اُسی طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا اور صحابہؓ نے کیا۔ قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم کرو اور اِس پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ کے حضور اتنی ہی بات کافی نہیں ہو سکتی کہ زبان سے اقرار کر لیا اور عمل میں کوئی روشنی اور سرگرمی نہ پائی جاوے۔ یاد رکھو کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ قائم کرنی چاہتا ہے وہ عمل کے بدُوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ عظیم الشان جماعت ہے جس کی تیاری حضرت آدمؑ کے وقت سے شروع ہوئی ہے کہ کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا جس نے دعوت کی خبر نہ دی ہو۔ پس اِس کی قدر کرو اور اِس کی قدر یہی ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ اہلِ حق کا گروہ تم ہی ہو۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 163-164، ایڈیشن 1984ء)

اِس ارشاد سے واضح طور پر اِس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کے نیک اعمال دراصل اُن ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے سے تیار ہوئے تھے جو صحابہؓ نے براہ راست آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے جن پر عمل کر کے وہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے مصداق ٹھہرے۔ انسان کے عمل یا اس کے فعل سے اس کی شخصیت کی ایک تصویر بنتی یا اُبھرتی ہے۔ جس سے وہ جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ اگر انسان کی شخصیت کو پہچاننا ہو تو اس کے کردار کو دیکھو نہ کہ گفتار کو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ ایک شخص نے ابو بکرؓ کو پیغمبر جان کر ان سے مصافحہ کیا اور تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ آخر ابو بکرؓ اُٹھ کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پنکھا جھلنے لگ گئے اور اپنے قول سے نہیں بلکہ فعل سے بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں مَیں تو خادم ہوں“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 411 ایڈیشن 1984ء)

آپؑ نے ایک موقع پر بیعت لینے کے بعد نومبائعین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”تم لوگوں نے اِس وقت جو بیعت کی ہے اِس کا زبان سے کہہ دینا اور اقرار کر لینا تو بہت ہی آسان ہے مگر اِس اقرارِ بیعت کا نبھانا اور اِس پر عمل کرنا بہت ہی مشکل ہے ......یاد رکھو! نِری بیعت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اِس رسم سے راضی نہیں ہوتا جب تک کہ حقیقی بیعت کے مفہوم کو ادا نہ کرے۔ اِس وقت تک یہ بیعت، بیعت نہیں نری رسم ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بیعت کے حقیقی منشا کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو اور اِس پر تدبّر کرو اور پھر عمل کرو کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نرے اقوال اور باتوں سے کبھی خوش نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ اُس کے احکام کی پیروی کی جاوے اور اُس کے نواہی سے بچتے رہو اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بھی نری باتوں سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی خدمت ہی سے خوش ہوتا ہے“

(ملفوظات جلد ششم صفحہ 392-405 ایڈیشن 1984ء)

میرے بھائیو! حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی آیت فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا کی تشریح میں عملِ صالح کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (النحل: 111) عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو۔ صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عُجب ہو۔ نہ کبر ہو۔ نہ نخوت ہو۔ نہ تکبر ہو۔ نہ نفسانی اغراض کا حصّہ ہو۔ نہ رُو بخلق ہو۔ حتّٰی کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو۔ صرف خدا تعالیٰ کی محبت سے وہ عمل صادر ہو جب تک دوسری قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا اور اس کا نام شرک ہے کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چائے یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے۔ ایسا انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھے گا اسی دن قطع تعلق کر دے

گا۔ جو لوگ خدا تعالیٰ سے اس لیے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں اُن کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے۔ جس دن اُن کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا، اُسی دن ایمان میں فرق آ جاوے گا۔ اِس لیے پکا مومن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 132 ایڈیشن 1984ء)

پھر فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ کوئی بُرا عمل کرے خواہ کتنا ہی کیوں نہ کرے اس کی پاداش اس کو ملے گی یہاں کوئی تخصیص ذات اور قوم کی نہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرّم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ پس ذاتوں پر گھمنڈ نہ کرو کہ یہ نیکی کے لیے روک کا باعث ہو جاتا ہے۔ ہاں ضروری یہ ہے کہ تقویٰ میں ترقی کرو۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور برکات اسی راہ سے آتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ہماری جماعت اور ہم جو کچھ ہیں اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہو گی کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اور سچی اتباع کریں۔ قرآن شریف کی پاک تعلیم کو اپنا دستور عمل بناویں اور ان باتوں کو ہم اپنے عمل اور حال سے ثابت کریں نہ صرف قال سے۔ اگر ہم اس طریق کو اختیار کریں گے تو یقیناً یاد رکھو کہ ساری دنیا بھی مل کر ہم کو ہلاک کرنا چاہے تو ہم ہلاک نہیں ہو سکتے اس لیے کہ خدا ہمارے ساتھ ہو گا۔
لیکن اگر ہم خدا تعالیٰ کے نافرمان اور اس قطع تعلق کر چکے ہیں تو ہماری ہلاکت کے لیے کسی کو منصوبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی مخالفت کی حاجت نہیں۔ وہ سب سے پہلے خود ہم کو ہلاک کر دے گا۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 189 ایڈیشن 1984ء)

"ہماری جماعت میں عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک چال چلن کے لوگ ہیں اور وہ سب حسنہ صفات سے متّصف ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو ہم ساتھ رکھتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 163 ایڈیشن 2022ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"حقیقت میں اس امر کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ انسان کا قول اور فعل باہم ایک مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر ان میں مطابقت نہیں تو کچھ بھی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ (البقرہ:45) یعنی تم لوگوں کو تو نیکی کا امر کرتے ہو مگر اپنے آپ کو اس امر نیکی کا مخاطب نہیں بناتے، بلکہ بھول جاتے ہو اور پھر دوسری جگہ فرمایا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ (الصف:3) مومن کو دورنگی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بزدلی اور نفاق اس سے ہمیشہ دور ہوتا ہے۔ ہمیشہ اپنے قول اور فعل کو درست رکھو اور ان میں مطابقت دکھاؤ۔ جیسا کہ صحابہؓ نے اپنی زندگیوں میں دکھایا، ایسا ہی تم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے صدق ووفا کے نمونے دکھاؤ"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 338-339 ایڈیشن 2016ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جب ہم اِس پہلو کی طرف دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ہم میں جو عملی تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں، اُس کی حالت کیا ہے؟ تو پھر فکر پیدا ہوتی ہے۔ سوال اُٹھتا ہے کہ کیا ہم میں سے ہر ایک معاشرے کی ہر برائی کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دے رہا ہے؟ کیا ہم میں سے ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ کر اُس سے تعلق رکھنے والا اور اُس کے دائرے اور ماحول میں رہنے والا اُس سے متاثر ہو رہا ہے، یا پھر ہم ہی معاشرے کے اثر سے متاثر ہو کر اپنی تعلیم اور اپنی روایات کو بھولتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا ہم میں سے ہر ایک بھرپور کوشش کرتے ہوئے اپنی اس طرح عملی اصلاح کر رہا ہے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے جو ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے، یہ پوچھتی ہے کہ کیا ہم نے سچائی کے وہ معیار قائم کر لئے ہیں کہ جھوٹ اور فریب ہمارے قریب بھی نہ پھٹکے؟ کیا ہم نے اپنے دنیاوی معاملات سے واسطہ رکھتے ہوئے آخرت پر بھی نظر رکھی ہوئی ہے؟ کیا ہم حقیقت میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہر ایک بدی سے اور بد عملی سے انتہائی محتاط ہو کر بچنے کی کوشش کرنے والے ہیں؟ کیا ہم کسی کا حق مارنے سے بچنے والے اور ناجائز تصرف سے بچنے والے ہیں؟ کیا ہم پنجگانہ نماز کا التزام کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہمیشہ دعا میں

لگے رہنے والے اور خدا تعالیٰ کو انکسار سے یاد کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہر ایسے بد رفیق اور ساتھی کو جو ہم پر بد اثر ڈالتا ہے، چھوڑنے والے ہیں؟ کیا ہم اپنے ماں باپ کی خدمت اور اُن کی عزت کرنے والے اور امورِ معروفہ میں اُن کی بات ماننے والے ہیں؟ کیا ہم اپنی بیوی اور اُس کے رشتہ داروں سے نرمی اور احسان کا سلوک کرنے والے ہیں؟ کیا ہم اپنے ہمسائے کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے محروم تو نہیں کر رہے؟ کیا ہم اپنے قصوروار کا گناہ بخشنے والے ہیں؟ کیا ہمارے دل دوسروں کے لئے ہر قسم کے کینے اور بُغض سے پاک ہیں؟ کیا ہر خاوند اور ہر بیوی ایک دوسرے کی امانت کا حق ادا کرنے والے ہیں؟ کیا ہم عہدِ بیعت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی حالتوں کی طرف نظر رکھنے والے ہیں؟ کیا ہماری مجلسیں دوسروں پر تہمتیں لگانے اور چغلیاں کرنے سے پاک ہیں؟ کیا ہماری زیادہ تر مجالس اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کرنے والی ہیں؟

اگر ان کا جواب نفی میں ہے تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے دُور ہیں اور ہمیں اپنی عملی حالتوں کی فکر کرنی چاہئے۔ اگر اس کا جواب ہاں میں ہے تو ہم میں سے وہ خوش قسمت ہیں جن کو یہ جواب ہاں میں ملتا ہے کہ ہم اپنی عملی حالتوں کی طرف توجہ دے کر بیعت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 6/دسمبر 2013ء)

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مجھے ملنے آتا ہے تو مجھے یہ علم دے دیا جاتا ہے کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اِس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ حتّٰی کہ اُس کے کردار و افعال کی بھی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اِس لئے جہاں اپنے اعمال کو صالح اور حسین بناتے رہنے کی ہمیں ضرورت ہے وہاں خلیفۃُ المسیح کے پاس جانے سے قبل صدقہ ضرور دینا چاہیے۔ آمین

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ایمانوں کو اعمالِ حسنہ سے مزیّن کرنے کی توفیق دے۔ اللہ، اُس کے رسول، اُس کی کتاب، آخری دَور کے مامور اور اُس کے بعد قائم ہونے والی خلافت سے وفا کا تعلق تو "پتھروں کو بھی وفا پھول بنا سکتی ہے"۔ پس ہم میں سے ہر ایک چاہئے کہ ہم اپنے ایمان کو اعمال اور وفا سے سجاتے رہیں۔

✡✡✡✡